مصلحت عامہ سے متعلق حاکم وقت کا دائرہ اختیار: فقہی اور لاطینی قواعد کا مطالعہ

Public Health and Role of the Head of State: A Study of Islamic Fiqha and Latin Rules

ڈاکٹر حافظ محمد ابراہیم (ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر محکمہ ابتدائی وثانوی تعلیم لوئر دیر صوبہ خیبر پختونخوا)

ڈاکٹر شاہ معین الدین ہاشمی (ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ حدیث وسیرت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد)

Abstract

The primary sources of Qawaid-e-Fiqhiyyah (legal maxims) are the Quran, Hadith, sayings of the companions of Prophet Muhammad (S.A.W), sayings of jurists' Ijmaa and Qayas. In western countries, most of the Latin maxims have been introduced and organized during medieval ages when these countries used Latin language in their courts. A renowned western scholar/jurist, Herbert Broom's book "Legal Maxim" which was published in 1845 earned great fame. Broom's Latin maxims have great resemblance with Qawaid -e- Fiqhiyyah. This article throws light upon the comparative analysis of Islamic and Latin legal maxims with special reference to the jurisdiction of Hakim/Head of state about Maslahat-e- Aama (Public welfare).

Keywords: Legal maxims, Latin maxims, courts, jurist, Public welfare.

لغوی اعتبار سے قواعد، قاعدہ کی جمع ہے، اور قاعدہ کے معنی ہیں: بنیاد اور اساس۔ یعنی کسی شئے کی اصل کو قاعدہ کہتے ہیں چاہے وہ اصل حسی ہو جیسے: قواعد البیت (گھر کی بنیادیں) یا معنوی ہو جیسے: قواعد الدین (دین کے بنیادی اصول وضوابط)[1]۔

اصطلاح میں قواعد فقہیہ کی کئی تعریفات کی گئی ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"قضيةكلية منطبقة على جميع جزئياتها"[2]۔

ترجمہ: یعنی یہ وہ کلی قاعدہ ہوتا ہے جو اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہوتا ہے۔

اسی طرح تعریف ہے: "قضية كلية يتعرف منها أحكام جزئياتها" یعنی یہ ایسا کلی قاعدہ ہوتا ہے جس سے اس کے جزوی احکام معلوم ہوتے ہیں اور "الأمر الكلى الذي ينطبق على جزئيات كثيرة تفهم أحكامها منه" یعنی ایسا کلی امر جو کہ بہت ساری جزئیات پر صادق آئے اور اس قاعدہ سے ان جزئیات کے احکام کا پتہ چلے[3]۔

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حكم كلي ينطبق على جزئياته يتعرف أحكامها منه"

ترجمہ: یعنی یہ ایسا کلی حکم ہوتا ہے جو کہ اپنے تمام جزئیات پر منطبق ہوتا ہے اور اس سے ان جزئیات کے احکام کا علم ہوتا ہے[4]۔

اگر ان مذکورہ بالا تعریفات کا بنظرِ غائر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام تعریفات اپنے الفاظ کے اختلاف کے باوجود نفس مضمون میں مشترک ہیں، چنانچہ ان سب تعریفات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قواعد فقہیہ ایسا حکم ہوتا ہے جو کہ بہت ساری جزئیات پر صادق آتا ہے، بہت ساری جزئیات و فروعات اس ایک قاعدہ میں سمو جاتی ہیں۔

قواعد فقہیہ کے مصادر:

قواعد فقہیہ کے مصادر کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال / آثار صحابہ، اقوال فقہاء / ائمہ، اجماع اور قیاس ہیں۔

لاطینی قواعد کے مصادر

لاطینی زبان کے یہ مسلمہ قواعد قانونی ماہرین کے درمیان کافی مشہور ہیں۔ ان سے مراد وہ مسلمہ اصول یا عمومی قواعد ہیں جو آفاقی ہوتے ہیں۔ یہ قواعد اگرچہ مسلمہ ہیں لیکن انکی اپنی کوئی قانونی حیثیت نہیں اور نہ ہی ان کو بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ تر لاطینی قواعد نے یورپی ممالک میں قرون وسطی کے زمانے میں ترقی پائی جب یہ ممالک قانون اور عدالتوں میں لاطینی زبان کو استعمال کیا کرتے تھے[5]۔

اس موضوع پر ہربرٹ بروم کی کتاب "Legal Maxims" اہم ہے جو پہلی بار 1845ء میں شائع ہوئی اور کافی شہرت حاصل کی۔ اس کتاب میں ہربرٹ بروم نے لاطینی قانونی قواعد کا بڑا ماہرانہ انداز میں انگریزی ترجمہ کیا اور ان پر انگریزی قانون سے وضاحتی مضامین کا اضافہ کیا اور قواعد کی درجہ بندی کی[6]۔

ہربرٹ بروم کے ان لاطینی قواعد کا قواعد فقہیہ سے کافی مماثلت اور مطابقت ہے زیر نظر مضمون میں مصلحت عامہ سے متعلق حاکم وقت کے دائرہ اختیار پر ان دونوں کے (لاطینی اور فقہی قواعد) کا تقابلی مطالعہ کی کوشش کی گئی ہے۔

مصلحت

مصلحت کے لفظی معنی فائدہ اور منفعت کے ہیں اور فقہاء کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو منفعت پہنچا کر اور ان سے ضرر کو دفع کر کے ان کے دین، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کی جائے[7]۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مصلحت کی تعریف یہ ہے:

"مصلحت سے مراد کسی کار آمد اور نفع بخش چیز کا حصول یا کسی ضرر رساں چیز کو دفع کرنا ہے۔ لیکن اس سے ہماری مراد فقط اتنی ہی نہیں ہے کیونکہ منفعت کا حصول اور ضرر کا دفع کرنا خلق کے مقاصد ہیں اور خلق کی

بھلائی ان مقاصد کے حصول میں ہے بلکہ ہماری مراد مصلحت سے شریعت کے مقصد کی حفاظت ہے اور مقاصد شریعت پانچ ہیں، دین کا تحفظ، زندگی کا حفاظت، عقل و دانش کا تحفظ، نسل کا تحفظ اور مال کا تحفظ۔ جو کچھ ان پانچ اصولوں کے تحفظ کا یقین دلائے وہی مصلحت ہے اور جو ان کے تحفظ میں ناکام رہے وہ مفسد ہے اور اس کو دفع کرنا مصلحت ہے"[8]۔

حاکم کا قیام

حاکم کا قیام مصلحت عامہ کے لیے ضروری ہے۔اس موضوع سے متعلق لاطینی قواعد کا ایک قاعدہ ہے کہ:

Rex nunquam moritur.[9] The king never dies. یعنی بادشاہ کبھی نہیں مرتا

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ ذاتی حیثیت سے تو مر سکتا ہے لیکن منصبی حیثیت سے ایک بادشاہ اگر مر بھی جائے تو فوراً ہی اس کا عہدہ دوسرے بادشاہ کو پہنچ جاتا ہے، یوں اس منصب کو قیام واستقلال حاصل ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ ہمیشہ قائم ودائم رہتا ہے صرف فرد ہی تبدیل ہوتا ہے[10]۔

حاکم یا بادشاہ کا قیام بھی مصلحت عامہ کا ایک جز ہے اسلامی شریعت میں بادشاہ کے بغیر زمین پر ایک رات گذارنا بھی مناسب نہیں اس لیے بادشاہ کو زمین پر اللہ کا سایہ قرار دیا گیا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ: السُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِي الْأَرْضِ[11] سلطان وحکمران زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

بیہقی کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

"إِذَا مَرَرْتَ بِبَلْدَةٍ لَيْسَ فِيهَا سُلْطَانٌ فَلَا تَدْخُلْهَا"[12] یعنی اگر ایسے علاقے پر سے گذر ہو جہاں سلطان یا بادشاہ نہ ہو تو اس میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

"سِتُّونَ سَنَةً مِنْ إِمَامٍ جَائِرٍ أَصْلَحُ مِنْ لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ بِلَا سُلْطَانٍ"[13]۔

ترجمہ: ساٹھ برس جابر وظالم سلطان کا ہونا، ایک رات بغیر سلطان کے گذارنے کی نسبت زیادہ مناسب اور اصلح ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کی رو سے ایک رات بھی بغیر ولایت امر اور حکومت وحاکم کے گذارنا ٹھیک نہیں یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جہانِ فانی سے کوچ کرلینے کے بعد مسلمانوں کا اولین کام دوسرے خلیفہ کا انتخاب ہی تھا۔ اسلامی شریعت کی رو سے ولایت امر، امارت وحکومت دین کا عظیم الشان رکن اور اہم ترین واجبات سے ہے۔ بلکہ دین کا بقاء وقیام اسی سے وابستہ ہے کیونکہ بنی آدم کی اجتماعی مصلحتیں اجتماع کے بغیر ناممکن ہیں اور جب اجتماع واجب اور لازم ہے تو اجتماع کے لیے امیر اور سردار کا ہونا بھی ضروری ہے۔

حاکم / اولوالامر کی اطاعت

لاطینی قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ:

Nemo patriam in qua natus est exuere nec ligeantiae debitum ejurare possit:[14]

A man cannot abjure his native country nor the allegiance which he owes to his, sovereign.

کوئی شخص اپنے ملک یا اپنے بادشاہ کی متابعت سے باہر نہیں ہو سکتا۔

اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی اپنے آبائی وطن سے لاتعلق نہیں رہ سکتا، نہ ہی اس سے وفاداری کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔ ہر شخص ہر حال اور ہر موقعہ پر اس بادشاہ کا جس کے زیرِ حکومت وہ رہا تابع ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایک ملک سے آکر دوسرے ملک میں رہنے لگے تو جب تک وہ وہاں رہے اس کا فرض ہے کہ بادشاہ اور سرکارِ وقت کی متابعت کرے۔ البتہ کوئی شخص اپنے پیدائشی ملک سے دستبردار نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس وفاداری سے جو اس کے مقتدرِ اعلیٰ کے لیے اس کے ذمہ ہے[15]۔

اسلام میں کوئی بھی شخص کہیں بھی قانون سے بالاتر نہیں اور نیک وجائز کاموں میں مسلم امراء سلاطین کی اطاعت اس پر لازم ہے۔ اسلام کے لازمی ارکان میں سے ایک یہ ہے کہ اجتماعیت کے بغیر کوئی دین نہیں ہے، اور امامت کے بغیر کوئی اجتماعیت نہیں ہے اور سمع واطاعت کے بغیر کوئی امامت نہیں ہے۔ اس لیے پوری امت کا اتفاق ہے کہ امام عادل کی اطاعت واجب ہے اور اس کے خلاف بغاوت کرنا حرام ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا"[16]۔

ترجمہ: مؤمنو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہے ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرو اور یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، إِلَّا أَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ"[17]۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان آدمی پر (امیر کی اطاعت) ان چیزوں میں جو ناپسند ہوں یا پسند ہوں واجب ہے جب تک کہ گناہ کا حکم نہ دے، جب گناہ کی بات کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے اور نہ ہی اطاعت کرنا ہے۔

اس کی تعبیر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں فرمائی تھی:

"لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ، وَلَا جَمَاعَةَ إِلَّا بِإِمَارَةٍ، وَلَا إِمَارَةَ إِلَّا بِطَاعَةٍ"[18]۔

ترجمہ: اجتماعیت کے بغیر اسلام نہیں اور امارت کے بغیر اجتماعیت نہیں اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ فقہا نے صراحت فرمائی ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایسی زندگی گذارنا جائز نہیں ہے جس میں شرعی امور کے انجام دینے کے لئے ان میں کوئی والی اور امیر نہ ہو، خواہ ایسا دار الاسلام میں ہو یا دار الحرب میں۔

"لایجوز ترک المسلمین سدی لیس علیهم من یدبر امورهم فی دار الاسلام ولا فی دار الحرب"[19]

مسلمانوں کو بیکار چھوڑنا کہ ان کے امور کی تدبیر کرنے والا کوئی نہ ہو، نہ دار الاسلام میں جائز ہے نہ دار الحرب میں۔

دین اسلام کا مزاج یہ ہے کہ وہ لاقانونیت اور انارکی کو سخت ناپسند کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو ایک اجتماعی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ دین ہمیں ایسے تمام احکامات اور قوانین میں اپنی حکومت کی اطاعت کی دعوت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف نہ ہوں۔ بلکہ امّت کی یہ ذمہ داری ٹھہرائی کہ وہ امام کی اس وقت تک اتباع واطاعت کرے جب تک وہ حدودِ الٰہی کی پابندی کرتا رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تو انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں ان امور کی نشاندہی ان الفاظ میں کی:

"یا أیہاالناس أنی قدولیت علیکم ولست بخیرکم فإن ضعفت فقومونی وإن أحسنت فأعینونی،أطیعونی ما أطعت الله ورسوله فإذا عصیت الله ورسوله فلا طاعة لی علیکم"[20]۔

ترجمہ: اے لوگو! میں تم پر والی بنادیا گیا ہوں، مگر میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو، اور بُرے کام کروں تو مجھے درست کردو۔ جب تک میں اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا رہوں تم بھی میری اطاعت کرتے رہو اور جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں ہے۔

اس ثابت ہوا کہ مسلمان رعایا پر لازم ہے کہ وہ اولوالامر کے حکم کی اطاعت کریں۔ اور اپنے تمام چھوٹے بڑے قائدین اور زعماء کی اس وقت تک پیروی کریں جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے رہیں اور پوری سنجیدگی اور خلوص سے اس پر چلتے رہنے کے لیے پر عزم رہیں۔ اگرچہ متعین حدود اور

معیارات میں رہتے ہوئے ایسے قائدین کے علاوہ دیگر قائدین کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے، لیکن مکمل اطاعت صرف رسول اللہ ﷺ کے راستے اور آپ ﷺ کی سنت پر چلنے والے اولوالامر کا حق ہے۔

حکومت / سربراہ مملکت اور رعایا کا تعلق:

ہر حکومت کا اصل مقصد رعایا کی فلاح، امن وامان اور تحفظ ہے۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے نیک وبد میں تمیز کرنے اور ہر اس چیز کو اختیار کرنے کی نیز اجازت دی ہے جو اس کے فائدے کی ہو۔ ہر شخص جب معاشرے کا رکن بنتا ہے تو وہ اپنی فطری آزادی کے کچھ حصہ سے باہمی معاملات سے حاصل ہونے والے مفادات کے عوض دستبردار ہو جاتا ہے اور خود کو ان قوانین کے تابع کرتا ہے جو کہ معاشرہ ان کے لیے بہتر سمجھے۔ قانون کا ہونا کسی ملک کا لازمی حصہ ہے جس سے گو کہ وہاں کے لوگوں کی قدرتی آزادی میں کمی آتی ہے مگر اس قانون کی موجودگی میں ان کی جان ومال محفوظ ہوتا ہے۔ جہاں قانون نہ ہو وہاں لوگوں کی جان ومال بھی محفوظ نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے باوجود یہ بھی ہے کہ ضرورت کی صورت میں انفرادی فلاح کے بجائے معاشرتی فلاح مقدم ہوگی۔ مصالح مرسلہ پر مبنی قواعد کو بھی فقہاء نے اپنی اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، جن میں علامہ ابنِ نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی الاشباہ والنظائر سرِفہرست ہیں۔

ان کے علاوہ بھی دیگر کتب قواعد فقہیہ میں بکثرت ایسے قواعد موجود ہیں جن کا تعلق مصلحت عامہ سے ہے:

"تَصَرُّفُ الْإِمَامِ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَنُوطٌ بِالْمَصْلَحَةِ"[21]۔

Management of citizen's affairs is dependent upon public welfare.

ترجمہ: رعایا کے معاملات میں حکومت / امام کا عمل دخل مصلحت پر مبنی ہوگا۔

اس قاعدہ کی رو سے جو شخص بھی عام رعیت کے امور کا ذمہ دار بنایا گیا ہو، ان تمام لوگوں کے تصرفات جن کی اس کو ولایت حاصل ہے مصلحت پر مبنی ہونے چاہئیں یعنی ان تصرفات میں عوام کا فائدہ پیشِ نظر ہونا چاہیے۔ جیسے اگر کسی محلے میں آگ لگ جائے اور اسکے بجھانے کے لیے حاکم کسی عمارت کو مالک کی اجازت کے بغیر منہدم کردے تو ضرر عام کے دفعیہ کی بناء پر اس کو یہ حق حاصل ہوگا اور اس کا یہ فعل مصلحت پر مبنی سمجھا جائے گا[22]۔

انگریز ماہر قانون ہربرٹ بروم نے بھی درج ذیل لاطینی قاعدہ کے تحت اسی طرح کے مسائل ذکر کئے ہیں:

Salus populi est supreme lex[23].Regard for the public welfare is the highest law

یعنی بہبود عامہ کا لحاظ سب سے اعلیٰ قانون ہے۔

انگریزی قانون کے مطابق بھی اگر آتشزدگی سے کئی مکانات جلنے کا خدشہ ہو تو ان مکانات کو بچانے کی خاطر کسی شخص کا مکان مسمار کیا جا سکتا ہے[24]۔

ہربرٹ بروم کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ:

"ضرورت نجی حقوق کے حوالے سے ایک استحقاق فراہم کرتی ہے"[25]۔

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ ذاتی معاملات میں اشد ضرورت کی وجہ سے عمل کرنا جرم نہیں۔لارڈ بیکن کے مطابق ضرورت تین طرح کی ہے، جان بچانے کی ضرورت، اطاعت کی ضرورت اور مشیت ایزدی کی ضرورت[26]۔

ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ کوئی فعل جو اور طرح سے جرم ہوتا، جرم نہ ہو گا اگر وہ شخص جس نے وہ فعل کیا یہ ثابت کر سکے کہ اس نے ایسے نتائج کی روک تھام کے لیے ایسا کیا جن کے ظہور پذیر ہونے سے اس کو یا دوسروں کو عظیم نقصان پہنچ جاتا۔اور نیز جو فعل کیا گیا وہ اس غرض سے زیادہ نہیں تھا جس کے لیے وہ کیا گیا اور نہ وہ نقصان جو کیا گیا اس نقصان سے زیادہ تھا جس کے بچانے کے لیے یہ کیا گیا[27]۔

حفاظت جان کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی کشتی ٹوٹ گئی اور ایک تختے پر دو آدمی سوار ہوں اور وہ تختہ دونوں کو بچانے کے قابل نہ ہو تو ان میں سے ایک نے دوسرے کو دریا میں دھکا دے کر اپنی جان بچائی تو دھکا دینے والا مرتکبِ جرم نہ ہو گا۔کیونکہ یہ ایک عام بات ہے کہ ہر شخص اپنی جان کی حفاظت کو دوسرے کی جان کی حفاظت پر مقدم سمجھتا ہے۔اگر کوئی ملاح اپنی کشتی کو اس قدر لاد دے کہ اس کے ڈوبنے کا خدشہ ہو اور کشتی پر سوار ایک مسافر اس میں سے کچھ اسباب کو اپنی اور مسافروں کی جان بچانے کی خاطر باہر پھینک دے تو وہ مرتکبِ جرم نہیں ہو گا۔اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو مارنے کے لیے اس پر حملہ کرے اور وہ بھاگ جائے مگر پھر بھی مارنے والا اس کا پیچھا نہ چھوڑے اور بھاگنے والا حملہ آور کو قتل کر دے تو وہ کسی جرم کا مرتکب نہیں ہو گا[28]۔

اسی طرح متابعتِ قانون سے کوئی شخص قابلِ مؤاخذہ نہیں ہو سکتا۔جیسے کوئی اہلکار کسی مجرم کو عدالت کے حکم کے نتیجہ میں کسی کو پھانسی دے تو پھانسی دینے والا قابلِ مؤاخذہ نہیں[29]۔

فقہ اسلامی کے قواعد میں بھی ایسے قواعد موجود ہیں جن سے مصلحت عامہ کی خاطر بوقتِ ضرورت ناجائز کے چیزوں کے جائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔جیسے:"الضَّرُورَاتُ تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ"[30] Necessity makes the unlawful lawful یعنی ضرورتیں ناجائز چیزوں کو بھی جائز کر دیتی ہیں۔

اس لیے اضطرار کے وقت مردار کھانا بھی جائز ہے۔اور شراب کے ساتھ لقمہ کھانا بھی جائز ہے۔مجبوری کی بنا پر کلمہ کفر بھی منہ سے نکال سکتا ہے، اور اسی طرح مال کو ضائع کیا جا سکتا ہے۔اسی طرح اس شخص کا مال جو قرض ادا نہ کرتا ہو، بھی اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر قبضے میں لیا جا سکتا ہے۔اور حملہ آور کو روکا جا سکتا ہے خواہ اس کے لیے اسے قتل ہی کیوں نہ کرنا پڑے[31]۔

لیکن حرام چیزوں کا استعمال بقدرِ ضرورت ہی جائز ہے۔

"مَا أُبِيحَ لِلضَّرُورَةِ يُقَدَّرُ بِقَدْرِهَا"[32]۔

Necessity is measured in accordance with its true proportion.

ترجمہ:ضرورت کی وجہ سے جس چیز کو جائز قرار دیا جائے اسے بقدرِ ضرورت ہی رکھا جائے۔

حالتِ اضطرار میں واقع شخص مردار میں سے صرف اتنا کھا سکتا ہے جس سے اس کے جسم و جان کا رشتہ باقی رہے۔اور دارالحرب میں کھانا بقدرِ ضرورت ہی لیا جا سکتا ہے۔کیونکہ اسے صرف ضرورت ہی کے لیے جائز قرار دیا گیا ہے[33]۔

بادشاہ/حاکم کی حیثیت واختیار

اس حوالہ سے ہربرٹ بروم نے یہ قاعدہ نقل کیا ہے کہ:

Non potest rex gratiam facere cum injuria et damno aliorum[34]

The king cannot confer a favour on one subject to the injury and damage of others.

ترجمہ: بادشاہ ایسے معاملے میں کسی کی حمایت نہیں کر سکتا جو دوسروں کے نقصان اور ضرر کا باعث ہو۔

بادشاہ کا تقرر رفاہِ عامہ کی خاطر ہوتا ہے اس لیے وہ کسی ایک رعایا کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتا کہ جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے، مگر نقصان ایسا ہونا چاہیے کہ جو قانوناً نقصان سمجھا جائے نہ کہ وہ نقصان جس کو کوئی شخص اپنے دل میں نقصان سمجھے۔مثلاً بادشاہ ایک شخص کے بازار کے نزدیک دوسرے شخص کو بازار قائم کرنے کا حکم نہیں دے سکتا کہ جس سے اول الذکر شخص کے بازار کو نقصان پہنچے۔اس کے علاوہ اگر کسی شخص سے ایسا فعل سرزد ہو جائے جس سے عام لوگوں کو تکلیف ہو تو بادشاہ کسی ایسے شخص کو بری نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ تکلیف دور نہ ہو جائے[35]۔

شریعت میں بادشاہ یا حاکم کی حیثیت ڈکٹیٹر اور مطلق العنان بادشاہ کی نہیں ہے جس کی ہر مرضی اور حکم کو قانون کا درجہ حاصل ہو بلکہ اس کے تصرفات مبنی بر مصلحت ہونے چاہئیں۔جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا کہ فقہی قاعدہ ہے:

"تَصَرُّفُ الْإِمَامِ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَنُوطٌ بِالْمَصْلَحَةِ"[36]۔

ترجمہ: حاکم کے لیے رعایا پر تصرّف کا اختیار مصلحت کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔

یعنی جو شخص رعیّت کے امور کا ذمہ دار بنایا گیا ہو اس کے لیے ان کی مصلحت کی رعایت ضروری ہے۔چنانچہ اس عموم کی بنا پر خود سربراہِ حکومت اور وہ تمام لوگ جن کو وہ بلا واسطہ یا بالواسطہ مقرر کرے، سب داخل ہیں۔یعنی ان تصرفات میں عوام کا فائدہ پیشِ نظر ہونا چاہیے۔

اس قاعدہ کی شرح کرتے ہوئے مصطفیٰ زرقا لکھتے ہیں:

"اگر حاکم ایسے شخص کے قاتل کو معاف کرلے جس کا کوئی ولی نہ ہو تو اس کا معاف کرنا صحیح نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے قصاص ساقط ہوگا کیونکہ یہ حق عوام کے مفاد اور خیر خواہی کے لیے حاکم کو منتقل ہوتا ہے جو اسے بے

عوض ساقط نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی اگر متولی وقف غیر منقولہ جائیداد کو بڑا نقصان کرتے ہوئے اجرت پر دے دے تو جائز نہیں۔ اسی طرح اگر قاضی نابالغ بچی کا غیر کفو میں نکاح کرے یا وقف کرنے والے کی شرط کے خلاف فیصلہ کرے یا حقوقِ عامہ میں سے کسی حق کو چھوڑ دے یا مقروض کو قرض دینے والے کی مرضی کے بغیر مزید مہلت دے تو یہ بات جائز نہیں۔ ایسے ہی اگر ولی یا وصی نابالغ کی طرف سے ایسی صلح کریں جو اس کے لیے مضر ہو تو یہ بات جائز نہیں۔ تاہم اگر باپ اور دادا ولی ہوں اور نشہ کی حالت میں نہ ہوں اور نہ ہی اختیار کے غلط استعمال کے حوالے سے معروف ہوں تو ان کی بچے اور بچی کی شادی غیر کفو میں کرنا اور غبنِ فاحش سے انجام دینا تعسّف سے مستثنیٰ ہو گا اور ان کا فیصلہ قابلِ نفاذ ہو گا[37]۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں امیر المؤمنین کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا:

"واعمل بما ترى أنه أصلح للمسلمين وأعم نفعا لخاصتهم وعامتهم وأسلم لک فِي دينک"[38]۔

ترجمہ: جس میں مسلمانوں اور ان کے عوام و خواص کا فائدہ ہو اس پر عمل کرو، یہ تمہارے دین و ملت کے لیے زیادہ محفوظ طریقہ ہے۔

اس لحاظ سے حاکم کے جملہ تصرفات اور اختیارات مصلحت عامہ اور مفادِ عامہ کے تحت ہونے چاہئیں۔ ذاتی مفاد پرستی یا بے جا اقربا پروری کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حاکم کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت بھی رہنی چاہیے تاکہ اس سے خلافِ عدل کوئی کام نہ ہونے پائے۔ جیسا کہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ:

"وَيَجِبُ عَلَى الْإِمَامِ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ تَعَالَى وَيَصْرِفَ إِلَى كُلِّ مُسْتَحِقٍّ قَدْرَ حَاجَتِهِ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ فَإِنْ قَصَّرَ فِي ذَلِکَ كَانَ اللَّهُ عَلَيْهِ حَسِيبًا"[39]۔

ترجمہ: امام یا حاکم وقت پر واجب ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتا رہے اور ہر مستحق کی ضرورت پوری کرے (دوسرے کی حق تلفی کر کے کسی کو ضرورت سے) زیادہ نہ دے۔ اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو اللہ کے روبرو اس کا حساب ہو گا۔

لیکن یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ امام وقت کے لیے ایسی چیزوں کو رواج دینا اور عام کرنا قطعاً جائز نہیں جو شرعاً ممنوع ہوں یا عوام کے لیے نقصان دہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم یا بادشاہ مصلحت یا مفاد عامہ کا فیصلہ کرنے میں آزاد نہیں بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس فیصلہ میں شریعت کے نقطہ نظر کا پورا لحاظ رکھے اور اس کے فیصلہ سے شریعت مطہرہ کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، ورنہ فیصلہ قابل نفاذ نہ ہو گا۔ اس لیے علامہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ:

"إِذَا كَانَ فِعْلُ الْإِمَامِ مَبْنِيًّا عَلَى الْمَصْلَحَةِ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْأُمُورِ الْعَامَّةِ لَمْ يَنْفُذْ أَمْرُهُ شَرْعًا إِلَّا إِذَا وَافَقَهُ، فَإِنْ خَالَفَهُ لَمْ يَنْفُذْ"[40]۔

ترجمہ: اگر امورِ عامہ سے متعلق امام کا فعل مبنی بر مصلحت ہو تو اس کا حکم شرعاً تب ہی نافذ ہو گا جب وہ شریعت کے خلاف نہ ہو ورنہ حکم نافذ نہ ہو گا۔

اس اصول کے مطابق کسی کے قبضہ سے اس کی کوئی چیز نکالنا جائز نہیں ہے جب تک دوسرے کا حق اس میں ثابت نہ ہو یا اس سے ضرر عام اور حقوق عامہ کی پامالی نہ ہوتی ہو۔ حاکم یا بادشاہ کو اس قسم کے تصرفات کا بھی اختیار نہیں ہے جس میں بظاہر عمومی فائدہ ہو، مگر یہ فائدہ مضرتوں کا سبب بن سکتا ہو، چنانچہ کسی کو ایسی جگہ مسجد تعمیر کرنے کی اجازت یا توسیع کا حکم دینا جس جگہ سے لوگوں کا عام مفاد وابستہ ہو اور کاروبار میں آنے جانے والوں کو تکلیف پہنچتی ہو، ناجائز ہے[41]۔

حاکم/بادشاہ کے اختیار کی معیاد

اس موضوع پر لاطینی قاعدہ یہ ہے کہ:

Nullum tempus occurrit regi:[42]Lapse of time does not bar the right of the crown.

زائد المیعاد ہونے سے بادشاہ کے اختیارات پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک بادشاہ پر یہ تہمت بھی نہیں لگائی جاسکتی کہ وہ اپنے حقوق کے نافذ کرنے سے غافل رہا کیونکہ بادشاہ کا وقت سلطنت کے انتظام وانصرام میں صرف ہونا متصور ہوتا ہے اس لیے بادشاہ اپنے افسران یا ملازمان کے بے جا فعل یا فریقِ ثانی کے ساتھ سازباز کرنے کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ملزم پر مقدمہ چلانے کا ریاست کا حق وقت گزرنے سے زائد المیعاد نہیں ہوتا ماسوائے کہ اس کے بارے میں قانون میں خاص طور پر صراحت کر دی گئی ہو[43]۔

فقہ اسلامی میں ایسے قواعد مذکور ہیں جن کی رو سے کسی بھی حقدار کا حق مرورِ زمانہ سے ساقط نہیں ہوتا اور نہ ہی حکومتِ وقت کا اختیار وقت گذرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن نجیم نے اس سلسلے میں یہ قاعدہ نقل کیا ہے کہ: "الْحَقُّ لَا يَسْقُطُ بِتَقَادُمِ الزَّمَان"[44]حق مرورِ زمانہ سے ساقط نہیں ہوتا۔

ابن نجیم مزید فرماتے ہیں کہ:

"الْحَقُّ لاَ يَسْقُطُ بِتَقَادُمِ الزَّمَانِ،قَذْفًا أَوْ قِصَاصًا أَوْ لِعَانًا أَوْ حَقًّا لِلْعَبْدِ"[45]۔

ترجمہ: امتدادِ زمانہ کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوتا، خواہ وہ قذف یا قصاص، یالعان یا بندہ کا کوئی دوسرا حق ہو۔

البتہ باطل تصرفات امتدادِ زمانہ کی وجہ سے صحیح نہیں ہوں گے خواہ حاکم نے باطل تصرفات کے نفاذ کا فیصلہ کر دیا ہو۔ اس لیے حق کا ثبوت اور اس کی واپسی فی ذاتہ باقی رہے گی۔ اور کسی کے لیے جائز نہیں ہو گا کہ باطل تصرف کے نتیجہ میں دوسرے کے حق سے انتفاع کرلے کیونکہ حاکم کا فیصلہ نہ تو کسی حرام کو حلال کر سکتا ہے اور نہ کسی حلال کو حرام[46]۔

علامہ ابن نجیم نے کہا ہے کہ:

"إِذَا كَانَ فِعْلُ الْإِمَامِ مَبْنِيًّا عَلَى الْمَصْلَحَةِ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْأُمُورِ الْعَامَّةِ لَمْ يَنْفُذْ أَمْرُهُ شَرْعًا إِلَّا إِذَا وَافَقَهُ، فَإِنْ خَالَفَهُ لَمْ يَنْفُذْ"[47]۔

ترجمہ: اگر امورِ عامہ سے متعلق امام کا فعل مبنی بر مصلحت ہو تو اس کا حکم شرعاً تب ہی نافذ ہو گا جب وہ شریعت کے خلاف نہ ہو ورنہ حکم نافذ نہ ہو گا۔

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ: "إِنَّ أَمْرَ السُّلْطَانِ إِنَّمَا يَنْفُذُ إِذَا وَافَقَ الشَّرْعَ وَإِلَّا فَلَا يَنْفُذُ"[48]۔

بادشاہ یا سلطان کا فعل اس وقت نافذ العمل ہو گا جب وہ شریعت کے مطابق ہو اور اگر شریعت کے خلاف ہو تو نافذ نہیں ہو گا۔

ان اقتباسات سے یہ ثابت ہوا کہ بادشاہ اپنے افعال اور امورِ سلطنت کی انجام دہی میں آزاد نہیں اور نہ ہی قانون سے بالاتر ہو کر اپنی رائے کے مطابق فیصلے صادر کر سکتا ہے۔ اسی لئے زائد المیعاد مقدمات میں بھی وہ اسلامی شریعت کے مطابق احکام صادر کرنے کا پابند ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ:

"لَوْأَمَرَ السُّلْطَانُ بِعَدَمِ سَمَاعِ الدَّعْوَى بَعْدخمس عشرة سنةٍ لَا تُسْمَعُ،وَيَجِبُ عَلَيْهِ عَدَمُ سَمَاعِه"[49]۔

ترجمہ: اگر بادشاہ قاضی کو پندرہ سال گذرنے کے بعد عدمِ سماعِ دعویٰ کا حکم دے تو یہ دعویٰ نہیں سنا جائے گا، اور قاضی پر اس کی عدمِ سماعت واجب ہے۔

اس مسئلہ کی تشریح میں الحموی شارحِ الاشباہ لکھتے ہیں کہ بادشاہ قاضی کو زائد المیعاد دعویٰ کی سماعت سے تو روک سکتا ہے لیکن خود اس دعویٰ کی سماعت کر سکتا ہے جیسا کہ خود انہوں نے لکھا ہے:

"ويجب عليه عدم سماعها لأن أمر السلطان يصير المباح واجبا ولكن يجب على السلطان أن يسمعها كذا فى معين المفتى ووقع فى بعض النسخ ويجب عليه سماعها أى على السلطان"[50]

ترجمہ: اور قاضی پر اس کی عدمِ سماعت واجب ہے، کیونکہ بادشاہ کا حکم مباح کاموں کو واجب بنا دیتا ہے لیکن بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ وہ خود اس کی سماعت کرے۔

اس سے ثابت ہوا کہ امتدادِ زمانہ سے بادشاہ کا ملزم پر مقدمہ چلانے یا زائد المیعاد مقدمات کی سماعت کرنے کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لیے سماعت واجب اور لازم ہے۔

بادشاہ/حاکم کے حق کو ترجیح

سوال یہ ہے کہ بادشاہ اور رعایا کے حقوق کا ٹکراؤ ہو تو کس کے حق کو ترجیح ہو گی؟ ہربرٹ بروم نے یہاں یہ قاعدہ نقل کیا ہے کہ:

Quando jus domini regis et subditi concurrunt jus regis praeferri debet:[51]

Where the title of the king and the title of a subject concur, the king's title must be preferred.

جب بادشاہ اور رعایا کے حقوق کا ٹکراؤ ہو تو بادشاہ کے حق کو ترجیح دی جائے گی۔

اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کو اپنی عظمت کی وجہ سے اپنی رعایا کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہو گی۔ اس لیے اگر کسی شخص کے ذمہ بادشاہ اور رعایا میں سے کسی شخص کا کوئی قابلِ وصولی قرضہ ہو تو بادشاہ کو ترجیح ہو گی۔ اسی طرح اگر مالِ منقولہ بادشاہ اور کسی رعایا کو مشترکہ دیا جائے تو بادشاہ اس مال کو اول پائے گا۔ کیونکہ یہ امر خلافِ استحقاق اور خلافِ عظمتِ بادشاہ ہے کہ وہ کسی شخص کے ساتھ مشترک مالک ہو[52]۔

فقہ اسلامی کے درج ذیل قاعدہ سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

فقہ اسلامی میں عدل کو تمام معاملات کا اصل قرار دیا گیا ہے جس کی وضاحت درج ذیل قاعدہ سے ہوتی ہے:

العدل هو الأصل في كل العقود[53]۔

عدل وانصاف تمام معاملات کی بنیاد ہے۔ Justice is the origin of all contracts.

اسلامی شریعت کی رو سے عام رعایا جس قانون کی تابع ہو، حاکم بھی اُسی قانون کے تابع ہو گا۔ اسلامی شریعت میں اس بات کی ضمانت موجود ہے کہ راعی اور رعایا، حاکم اور محکوم، امیر اور مامور، ہر ایک کے لیے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظامِ عدالت ہو گا۔ اسلام میں غریب اور امیر، امیر اور مامور، سب کے لیے ہر حالت میں ایک ہی قانون اور ایک ہی نظامِ عدالت ہے۔ اور اسلام نے اِس بات کو کسی حال میں رَوا نہیں رکھا ہے کہ قانون اور عدالت کے نظام میں سرِ مُو کوئی تفریق کی جائے۔ اسلامی شریعت میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ قانون اور نظامِ عدالت میں کسی قسم کی تفریق کی جاسکے۔ اسی میں عوامی فلاح و بہبود ہے۔

واضح رہے کہ حضور نبی کریم ﷺ صرف حاکم ہی نہ تھے بلکہ آپ ﷺ شارع اور قانون دینے والے بھی تھے چنانچہ اسلام کے عطا کردہ حقوق کے دائرہ میں حاکم کو جن حدود کی پابندی کرنی ہے اُن کی آپ ﷺ نے عملی طور پر نشان دہی کر دی ہے۔ چنانچہ حاکم کے لیے حدودِ شرعی یا اموالِ ریاست میں کوئی خصوصی حقوق نہیں اور اس کے گھر والوں کو بھی ان اموال میں ان حقوق سے زائد کوئی حق حاصل نہیں جو عام مسلمانوں میں سے کسی شخص کو حاصل ہوتے ہیں۔

اسلام کی نظر میں تمام انسان مساوی ہیں اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، سوائے تقوی کے۔ اسلام کی نظر میں سربراہِ مملکت اور ایک عام مزدور آدمی دونوں برابر ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ"[54]۔

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبر دار ہے۔

بادشاہ/حاکم کے لئے قانون کی پابندی

بادشاہ کس قانون کا اور کب پابند ہو گا اور کب نہیں اور کیا بادشاہ / حکمران قانون سے بالاتر ہو سکتا ہے؟ لاطینی قاعدہ کی رو سے بادشاہ کسی قانونِ موضوعہ کا پابند نہیں ہو تا اگر اس کو صراحتاً پابند نہ کیا گیا ہو۔

Roy n'est lie per ascum statute, si il ne soit expressement nosme:[55]

The king is not bound by any statute, if he be not expressly named to be so bound.

بادشاہ کسی قانون کا پابند نہیں ہوتا، اگر اس کو صراحتاً پابند نہ کیا گیا ہو۔

بادشاہ کسی قانونِ موضوعہ کا پابند نہیں ہو تا اگر اس کو صراحتاً پابند نہ کیا گیا ہو، کیونکہ بادشاہ رعایا کے لیے قانون بناتا ہے اپنے لیے نہیں بناتا۔ اس لیے اگر کسی مقامی قانون کی روسے کوئی محصول قائم کی گئی ہو جس میں اس بات کی صراحت نہ کی گئی ہو کہ بادشاہ یا سرکار اس محصول کی ذمہ دار ہو گی تو ان پر اس کی ادائیگی کی ذمہ داری نہ ہو گی۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ بادشاہ کی کوئی جائداد جو اوروں کے قبضے میں ہو یا جس سے وہ منافع اٹھاتے ہوں اس محصول کی ذمہ داری سے بری ہو (بلکہ وہ نفع حاصل کرنے والے محصول کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے[56]۔

اس ضمن میں فقہ اسلامی کا یہ قاعدہ ہے کہ: "لامَسَاغَ لِلِاجْتِهَادِ فِي مَوْرِدِ النَّصِّ"[57]۔

Where there is a text there is no room for interpretation.

نص کی موجودگی میں اجتہاد کی ضرورت نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب نص شرعی موجود ہو تو کسی اور قانون بنانے کی ضرورت ہی نہیں۔ نص سے مراد شارع کا خطاب ہے۔ یعنی قرآن مجید کی آیات اور صحیح و ثابت شدہ احادیث۔ استاد مصطفیٰ زرقاء کی رائے میں یہاں نص میں وہ ثابت شدہ اجماع بھی شامل ہے جو نقلِ صحیح سے ہم تک پہنچا ہو[58]۔

اس قاعدہ کے دلائل میں قرآن مجید کی یہ آیات ہیں:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ"[59] ۔

ترجمہ: اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ"[60]۔

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ"[61]۔

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں۔

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ"[62]۔

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف فیصلہ دینا حرام ہے اور کسی بھی صورت ایسا قانون بنانا جائز نہیں جو قرآن وسنت کے خلاف ہو اور نہ مسلمان حکمران کسی ایسے قانون کا تابع ہو سکتا ہے جو قرآن وسنت کی منافی ہو۔

اس قاعدہ پر بحث کرتے ہوئے محمد حسن الخطیب نے اپنی کتاب فقہ الاسلام میں لکھا ہے:

"نص شرعی کی صورت میں اجتہاد نہیں ہو سکتا لہذا کتاب وسنت کے بر خلاف فتویٰ یا حکم دینا حرام ہے اور علامہ ابن قیم نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے"[63]۔

اسلام میں کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں اور قانون وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ حاکم ہو یا محکوم کسی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ ایسے قوانین نافذ کریں جو اللہ کے قوانین سے متصادم ہوں۔ اسلامی شریعت کی رو سے ایک مسلم حکمران نہ تو خود قانون بناتا ہے اور نہ ہی کسی قانون موضوعہ کا پابند ہوتا ہے۔ کیونکہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اللہ کا ہے کسی اور کو قانون بنانے کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح موضوعہ قانون چند انسانی ذہنوں کی پیداوار ہوتی ہے جبکہ اسلامی قانون خود خالق کائنات کا دیا ہوا عطیہ ہے۔ حاکم کے اختیارات غیر محدود نہیں ہیں اور اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے بلکہ وہ امت کا ایک فرد ہے اور جو قوانین امت پر لاگو ہوتے ہیں اس پر بھی لاگو ہوں گے۔ اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں شریعت کی نصوص سے باہر نہ جائے اور روحِ شریعت کی خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہو۔

فرمانِ خداوندی ہے:

"وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّه"[64]۔

ترجمہ: اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا۔

شریعت میں امام یا حاکم کے لیے وہی امور جائز ہیں جو امت کے ہر فرد کے لیے جائز ہیں اور انہی امور سے امام یا حاکم بھی محروم ہے جن کی ممانعت امت کے تمام افراد کے لیے کی گئی ہے۔ اس لیے نہ حاکم قانون سے بالاتر ہے اور نہ محکوم۔

نتائج بحث

1 ہر حکومت کا اصل مقصد عوام کی فلاح، امن وامان اور تحفظ ہے۔ ہر شخص جب معاشرے کا رکن بنتا ہے تو وہ اپنی فطری آزادی کے کچھ حصہ سے باہمی معاملات سے حاصل ہونے والے مفادات کے عوض دستبردار ہو جاتا ہے اور خود کو ان قوانین کے تابع کرتا ہے جو کہ معاشرہ ان کے لیے بہتر سمجھے۔

2 قانون کا ہونا کسی ملک کا لازمی حصہ ہے جس سے گو کہ وہاں کے لوگوں کی قدرتی آزادی میں کمی آتی ہے مگر اس قانون کی موجودگی میں ان کی جان ومال محفوظ ہوتا ہے۔

3 رعایا کے معاملات میں حکومت وقت / امام کا عمل دخل مصلحت پر مبنی ہو گا۔

4 بادشاہ کا تقرر رفاہِ عامہ کی خاطر ہوتا ہے اس لیے وہ کسی ایک رعایا کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتا کہ جس سے دوسرے کو نقصان پہنچے۔

5 اسلامی شریعت کی رو سے ایک رات بھی بغیر ولایت امر اور حکومت وحاکم کے گذارنا ٹھیک نہیں۔

6 اگر امورِ عامہ سے متعلق امام کا فعل مبنی بر مصلحت ہو تو اس کا حکم شرعاً تب ہی نافذ ہو گا جب وہ شریعت کے خلاف نہ ہو ورنہ حکم نافذ نہ ہو گا۔

7 اسلامی شریعت کی رو سے عام رعایا جس قانون کی تابع ہو، حاکم بھی اُسی قانون کے تابع ہو گا۔ اسلامی شریعت میں اس بات کی ضمانت موجود ہے کہ راعی اور رعایا، حاکم اور محکوم، امیر اور مامور، ہر ایک کے لیے ایک ہی قانون اور ایک ہی نظامِ عدالت ہو گا۔

8 اسلام میں کوئی بھی شخص کہیں بھی قانون سے بالاتر نہیں اور نیک وجائز کاموں میں مسلم امراء سلاطین کی اطاعت اس پر لازم ہے۔

9 اسلام میں کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں اور قانون وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ حاکم ہو یا محکوم کسی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ ایسے قوانین نافذ کریں جو اللہ کے قوانین سے متصادم ہوں۔

حواشی ومصادر

1 ندوی،علی أحمد(ڈاکٹر)القواعد الفقهية،ط1986ء،دار القلم،دمشق،ص39

2 جرجانی،علامة عبد القادر،التعريفات،ط قدیمی کتب خانہ، کراچی،ص47

3 ندوی،علی أحمد(ڈاکٹر)القواعدوالضوابط المستخلصة من التحرير شرح الجامع الصغير،ط مطبعة المدنی مصر،ص87

4 تفتازانی،علامة سعد الدين،التلويح على التوضح،ط دار القلم،دمشق،ص65/1

5 https //en.wikipedia.org/wiki/Legal_maxim

6 انگریز ماہر قانون ہربرٹ بروم(Herbert Broom 1815-1882)برطانیہ میں 1815ء میں پیدا ہوئے اور 1882ء میں پرائری اوپر نگٹن کینٹ(Priory،Orpington ، Kent) برطانیہ میں انتقال کر گئے۔وہ ٹرینٹی کالج کیمبرج (Trinity College،Cambridge) میں زیر تعلیم رہے جہاں سے انہوں نے 1837ء میں گریجویشن کی۔انہوں نے 1864ء میں ایل ایل ڈی کی ڈگری لی۔ ہربرٹ بروم قانون پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ Dictionary of National Biography، Smith & CO. 1886 P. 440، Elder،Macmillan and co. London

7 الحداد،محمد عاصم،اصول فقه پر ایک نظر، اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور، طبع1991ء،ص146

8 الغزالی،محمد بن محمد أبو حامد(م505ھ)المستصفیٰ فی علم الأصول،تحقيق محمد عبدالسلام عبدالشافی دارالکتب العلميه،1993ء،ص174

9 BROOM، HERBERT"A SELECTION OF LEGAL MAXIMS CLASSIFIED AND ILLUSTRATED"T.&J.W JHONSON & CO،Law Booksellers، Publishers & Importers. PHILADELPHIA. Seventh Edition 1874، P.50

لاله بيجناتهہ،مسائلِ قانون مع تشريح، مطبع بہار ہند آگرہ،طبع اول(1886)ص35

10 Broom's Legal Maxims . PP.48-49

11 البيهقی،أحمد بن الحسين بن علی بن موسى الخُسْرَوْجِردی الخراسانی،أبو بكر(م458ھ)،السنن الكبرى تحقيق محمد عبد القادر عطا،دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، طبع سوم 1424ھ، كتاب قتال أهل البغی،باب فضل الإمام العادل،ص281/8، نمبر 16650

12 البيهقی،السنن الكبرى،كتاب قتال أهل البغی،باب فضل الإمام العادل،ص281/8،نمبر16650

13 تقی الدين بن أحمد بن عبد الحليم بن تيميه(م728ھ)السياسة الشرعية،طبع وزارة الشؤون الاسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد سعودی عرب،طبع 1318ھ، ص 129

14 Broom's Legal Maxims. P.75 ،مسائل قانونی از لالہ بیجناتھ، ص51

15 Broom's Legal Maxims. PP.77-78

16 النساء:59/4

17 صحيح البخاری،كتاب الأحكام،باب السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ لِلإِمَامِ مَا لَمْ تَكُنْ مَعْصِيَةً،حديث نمبر7144

18 الدارمی،أبو محمدعبد الله بن عبد الرحمن بن الفضل بن بَہرام بن عبد الصمدالتمیمی السمرقندی (م255ھ)،سنن الدارمی،تحقیق حسین سلیم أسد الدارانی،دارالمغنی للنشر والتوزیع سعودی عرب، طبع اول 1412ھ،باب فی ذھاب العلم،ص315/1،حدیث نمبر257

19 الشیبانی،محمد بن الحسن،شرح السیر الکبیر،تحقیق محمد حسن محمد إسماعیل،دار الکتب العلمیة بیروت لبنان،طبع اول1417ھ،ص258/2

20 عبد الرزاق،أبو بکر عبد الرزاق بن ھمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (م221ھ)، المصنف، تحقیق حبیب الرحمن الأعظمی،المکتب الإسلامی،بیروت،طبع دوم1403ھ،باب لاطاعة فی معصیة،ص 336/11،نمبر 20702

21 السیوطی،جلال الدین عبد الرحمان بن أبو بکر(م991ھ)الأشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقه الشافعیه،تحقیق محمد حسن إسماعیل الشافعی،دارالکتب العلمیه بیروت لبنان،طبع اول1418ھ، ص269/1ا بن نجیم،زین العابدین بن ابراھیم بن محمدبن محمدبن بکر(م970ھ)الأشباہ والنظائر علیٰ مذھب ابی حنیفة النعمان،تحقیق عبد الکریم الفضیلی،المکتبة العصریة صیدا بیروت،طبع 2003،ص149

22 المجلة ،مجلة الأحکام العدلیة،*قدیمی کتب خانہ کراچی، طبع وسن ندارد*،مادہ 919 ،ص178

23 Broom's Legal Maxims،P.1

24 لاله بیجناتھ،مسائلِ قانون مع تشریح،ص4

25 Broom's Legal Maxims. P.11*مسائل قانون از لالہ بیجناتھ، ص*8

26 ایضاً

27 مسائل قانون *از* لاله بیجناتھ،ص 9

28 Broom's Legal Maxims . P.11

29 Broom's Legal Maxims . P.11 ، *مسائل قانون از لالہ بیجناتھ، ص*11

30 الأشباہ والنظائر للسیوطی،ص168/1؛الأشباہ والنظائر لإبن نجیم،ص107

31 الأشباہ والنظائر للسیوطی،ص168/1-169؛الأشباہ والنظائر لإبن نجیم،ص107

32 ایضاً

33 ایضاً

34 Broom's Legal Maxims . P.63؛*مسائل قانون از لالہ بیجناتھ، ص*45

35 Broom's Legal Maxims. PP.64-65

36 الأشباہ والنظائر للسیوطی،ص269/1؛الأشباہ والنظائر لإبن نجیم،ص149

37 الزرقاأحمد بن الشیخ محمد(م1357ھ)شرح القواعد الفقھیة،تحقیق مصطفی أحمد الزرقا،دار القلم،دمشق سوریا،طبع چہارم 1417ھ،ص309۔310

38 أبو یوسف،یعقوب بن إبراھیم بن حبیب الأنصاری الکوفی البغدادی(م182ھ)کتاب الخراج،المطبعة

السلفيه القاهرة مصر،طبع 1382ھ،ص60

39 الأشباہ والنظائر لإبن نجیم،ص150

40 ایضاً:ص151

41 ایضاً:ص151۔152

42 Broom's Legal Maxims . P.65 ، *مسائل قانون ازالہ بیجاتھ*،ص46

43 Broom's Legal Maxims . P.65

44 الأشباہ والنظائر لإبن نجیم،ص251

45 ایضاً

46 الموسوعة الفقهية الكويتية،وزارة الأوقاف والشوؤن الإسلامية الكويت،طبع اول1404ھ،ص117/8

47 الأشباہ والنظائر لإبن نجیم،ص151

48 ایضاً:ص427

49 ایضاً:ص258

50 الحموی أبو العباس شہاب الدین أحمد بن محمد مکی الحسینی الحنفی(م1098ھ)غمز عیون البصائر دار الکتب العلمیة،بیروت لبنان،طبع اول 1405ھ،ص371/2

51 Broom's Legal Maxims. P.69 ،*مسائل قانون ازالہ بیجاتھ*،ص48

52 Broom's Legal Maxims. P.69

53 ابن قیم الجوزیة،محمد بن أبی بکر بن أیوب بن سعد شمس الدین(م751ھ)إعلام الموقعین عن رب العالمین تحقیق طه عبد الرؤوف سعد،مکتبة الکلیات الأزهریة،مصر،القاهرة،طبع 1388ھ،ص7/2

54 الحجرات:13/49

55 Broom's Legal Maxims. P.72،*مسائل قانون ازالہ بیجاتھ*،ص50

56 Broom's Legal Maxims. PP.72-74

57 مجلة الأحکام العدلیة،مادہ14،ص17:شرح القواعد الفقهیة للزرقا،ص147

58 الزرقا،مصطفی احمد،المدخل الفقهی العام،دار القلم دمشق/سوریا،طبع اول 1418 ھ،ص 1015

59 الأحزاب:36/33

60 المائدة :44/5

61 المائدة:45/5

62 المائدة:47/5

63 الخطیب،حسن أحمد،فقه الإسلام،طبع مصر1991،ص251

64 المائدة:49/5